سربستہ کاروائی قومی اسمبلی 1974ء اور ہم

(مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب)

حال ہی میں محمد متین خالد صاحب کا ایک مضمون رسالہ ضیاءِ حدیث، اہل حدیث، ایشیا، ختم نبوۃ، الفاروق اور بعض دیگر رسائل میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے ”قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا مگر وہ پریشان ہو گئے۔۔۔ آخر کیوں؟“۔ جیسا کہ اس مضمون کا عنوان ظاہر کرتا ہے اور اس کے پہلے صفحے پر یہ بات وضاحت سے درج کی گئی ہے کہ 1974ء سے لے کر اب تک یہ مطالبہ احمدیوں کی طرف سے مسلسل کیا جاتا رہا ہے کہ 1974ء میں دوسری ترمیم کے وقت پاکستان کی قومی اسمبلی میں جو خفیہ (In Camera) کاروائی کی گئی تھی اور جس میں وہ حصہ بھی شامل ہے جس میں جماعت احمدیہ کے وفد جس کی سربراہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کر رہے تھے سے سوالات کئے گئے تھے، اسے اب منظر عام پر آنا چاہئے۔ واضح رہے کہ اس کاروائی کو قومی اسمبلی نے قاعدہ بنا کر خفیہ رکھا تھا اور اس کے مندرجات نہ منظر عام پر لائے گئے تھے اور نہ ان کو شائع کیا گیا تھا۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ اس مضمون کے مطابق بھی یہ دیرینہ مطالبہ ہمیشہ احمدیوں کی طرف سے کیا گیا ہے اور مخالفین جماعت نے جن میں سے بہت سے اس وقت بحیثیت ممبر قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے ایک بہت طویل عرصہ گزرنے کے باوجود یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اس کاروائی کو شائع کیا جائے۔ بلکہ وہ اس قاعدہ بنانے میں برابر کے شریک تھے کہ یہ کاروائی خفیہ رکھی جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ اندر کیا بیتی تھی۔

اب یہ بڑی دلچسپ صورتِ حال ہے کہ اس کاروائی میں دو فریق تھے۔ دونوں کو دعویٰ ہے کہ ان کے دلائل زیادہ وزنی تھے۔ ایک گروہ مسلسل کہہ رہا ہے کہ اس کاروائی کو منظر عام پر آنا چاہئے اور دوسرا گروہ اس امر کا نام بھی نہیں لیتا بلکہ 1974ء میں اس قاعدہ کو بنانے میں شریک تھا کہ اس کاروائی کو خفیہ رکھنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ عقل تو یہی تجویز کرتی ہے کہ جو گروہ یہ کہہ رہا ہے اس کو منظر عام پر لایا جائے وہ اس بارے میں پُر اعتماد ہے کہ ان کے دلائل جاندار اور وزنی تھے اور جس گروہ کی طرف سے برعکس رویہ دکھایا جا رہا ہے اسے اپنی کارکردگی پر خود بھی اعتماد نہیں ہے۔ جب یہ کاروائی منظر عام پر آئے گی تو اس کے بعد تو ہر شخص اور ہر گروہ اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس کے بارے میں رائے قائم کرے گا یا دلائل دے گا لیکن جو منظر اس وقت سامنے ہے اور جس کا اقرار مضمون نگار صاحب نے بھی کیا ہے اس تو عقل یہی نتیجہ نکال سکتی ہے۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ایک طرف متین خالد صاحب لکھ رہے ہیں کہ جلد یہ کاروائی شائع ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے اور پھر یہ خلافِ واقعہ دعویٰ پیش کر رہے ہیں کہ اس خبر سے قادیانیوں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔ خیر یہ صفِ ماتم متین خالد صاحب کو اپنے گردونواح میں بچھی ہوئی نظر آئی ہو گی ورنہ وہ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ احمدیوں کی طرف سے تو ہمیشہ یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس کاروائی کو منظر عام پر لانا چاہئے۔ اب جب کہ یہ کاروائی شائع ہو رہی ہے تو متین خالد صاحب کو کس گھبراہٹ نے مجبور کیا کہ عجلت میں یہ مضمون لکھ کر اپنی خالی اور فرضی فتح کا اعلان کریں۔ اور اس بدحواسی میں ان سے کئی ایسی لغزشیں سرزد ہو گئی ہیں جو ان کی بیچارگی کو عیاں کر رہی ہیں۔ مثلاً وہ اسمبلی میں اس کاروائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”نہ صرف تمام ارکان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا بلکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کی ٹیم میں شامل ایک معروف قادیانی مرزا سلیم اختر چند ہفتوں بعد قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا، حالانکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر مکمل تیاری سے بڑی خوشی سے قومی اسمبلی گیا۔“

پڑھنے والے واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں متین خالد صاحب اس غلط بیانی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ کا جو وفد قومی اسمبلی میں بطور گواہ گیا تھا، اس کے ایک ممبر سلیم اختر تھے جو کہ فریق ثانی کے دلائل قاطعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے احمدیت کو ہی چھوڑ دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس وفد میں اس نام کا کوئی ممبر موجود ہی نہیں تھا۔ یہ حقیقت معروف ہے اور جب یہ کاروائی سب کے سامنے آئے گی تو سب اس میں پڑھ لیں گے کہ اس وفد کی قیادت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرما رہے تھے اور دیگر اراکین کے نام یہ تھے۔

1۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
2۔ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر
3۔ محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری
4۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب

قابل غور بات ہے کہ وہ کیا پریشانی ہے جو مضمون نگار کو اس قسم کی غلط بیانیوں پر آمادہ کر رہی ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اب ان کو یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ یہ کاروائی منظر عام پر آگئی تو پھر کیا بنے گا۔ سب حقائق سامنے آجائیں گے۔ اور یہ تمہید اس لئے باندھی جا رہی ہے کہ وہ فتح کے جتنے اعلانات کرنا چاہتے ہیں اس کے منظر عام پر آنے سے قبل ہی کر لیں تاکہ بجائے اس کے کہ لوگ اس کاروائی کو پڑھ کر حقائق جانیں، وہ محض ان مضامین کو پڑھ کر وہی سمجھتے رہیں جو کہ متین خالد صاحب انہیں باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ ایسی بات لکھ گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس موضوع

کے بارے میں وہ لکھ رہے ہیں اس کے بارے میں بنیادی علم تک نہیں رکھتے۔ وہ ہر قیمت پر احمدیوں کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور کوشش یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے اصل کاروائی کے مندرجات کی طرف رخ نہ کرنا پڑے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے ایک عجیب دلیل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”قادیانی قیادت نے قومی اسمبلی کے تمام اراکین میں 180 صفحات پر مشتمل کتاب محضر نامہ تقسیم کی جس میں اپنے عقائد کی بھرپور ترجمانی کی۔ اس کتاب کے آخری صفحہ پر ’دعا‘ کے عنوان سے لکھا ہے ”دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے معزز ارکان اسمبلی کو ایسا نورِ فراست عطا فرمائے کہ وہ حق و صداقت پر مبنی ان فیصلوں تک پہنچ جائیں جو قرآن و سنت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں۔“ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قادیانیوں کی دعا قبول ہوئی تو وہ قومی اسمبلی کا یہ فیصلہ قبول کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو وہ جھوٹے ہیں۔“

اس حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ متین خالد صاحب کا خیال ہے کہ جو بھی دعا کی جائے اللہ تعالیٰ کے لئے نعوذباللہ ضروری ہے کہ اسے من و عن قبول کرے اور اگر دعا بظاہر قبول نہ ہو تو یہ دعا کرنے والے کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہے۔ موصوف نے یہ نظریات نہ جانے کہاں سے اخذ کئے ہیں؟ قرآن کریم مین جو دعا کی فلاسفی بیان کی گئی ہے وہ ان نظریات کی تائید بہرحال نہیں کرتی۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک امر کے لئے دعا کی جارہی ہوتی ہے لیکن انسان کا علم محدود ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا قبول ہونا اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ کیا چیز بہتر ہے اور کیا نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس دعا کو اس رنگ میں منظور نہیں فرماتا بلکہ کسی اور رنگ میں اپنے بندے پر فضل کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانگنے والا بڑے اخلاص سے یا کسی شخص یا گروہ کے لئے ایک دعا مانگ رہا ہوتا ہے لیکن جس کے لئے دعا مانگی جارہی ہو اس کا باطن اور اس کے اعمال اس قابل نہیں ہوتے کہ اس کے حق میں وہ دعا قبول ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھید جانتا ہے اس کے حق میں وہ دعا قبول نہیں کرتا لیکن دعا مانگنے والے کو جس رنگ میں وہ چاہے اپنے کرم سے نوازتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاک کلام سے اس بارے میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ سورۃ مریم میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے والد نے کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:۔ ”اس نے کہا کہ تجھ پر سلام۔ میں ضرور اپنے رب سے تیرے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ یقیناً وہ مجھ پر بہت مہربان ہے“ (مریم:18)

لیکن کیا یہ مغفرت کی دعا اسی رنگ میں قبول ہو گئی۔ قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اور ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا۔ پس

جب اس پر یہ بات خوب روشن ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگیا۔ یقیناً ابراہیم بہت نرم دل (اور) بردبار تھا۔“ (توبہ:114)

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرستادوں نے حضرت ابراہیم کو یہ اطلاع دی کہ قومِ لوط پر عذاب اب مقدر ہو چکا ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی معافی کے لئے درخواست گزار ہوئے۔ لیکن کیا یہ درخواست اسی رنگ میں قبول ہوئی۔ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

”اے ابراہیم اس (بات) سے کنارہ کرلے۔ یقیناً تیرے رب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے اور یقیناً ان پر ایک نہ ٹالے جانے والا عذاب آئے گا۔“ (ہود:77)

یہ دعا کرنے والا وجود اللہ تعالیٰ کا ایک پیارا پیغمبر تھا۔ بڑے اخلاص سے دعا کی گئی تھی۔ لیکن جن کے حق میں دعا کی گئی تھی ان کے اعمال اس قابل نہیں تھے کہ وہ اس دعا کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کے اہل ہوتے۔

سب سے زیادہ یہ کہ نسل انسانیت کے شروع سے لے کر آخر تک سب سے زیادہ دعائیں آنحضرت ﷺ کی قبول ہوتی تھیں۔ ان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے۔

”تو ان کے لئے مغفرت طلب کر یا ان کے لئے مغفرت نہ طلب کر۔ اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت مانگے تب بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (توبہ:80)

یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر منافقت اور فسق ایک حد سے زیادہ گزر جائے اور اس گروہ یا شخص کے نصیب میں ہدایت نہ ہو تو اگر ایسے شخص یا گروہ کے بارے میں بہت دردِ دل سے دعائیں مانگی جائیں تو وہ قبول نہیں ہوتیں۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات جس مقصد کے لئے دعا کی جاتی ہے وہ تو بظاہر پورا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس رنگ میں فضل کر دیتا ہے کہ دعا کرنے والے کی کوئی برائی دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

”حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کوئی ایسا نہیں کہ اللہ سے کوئی چیز مانگے مگر اللہ یا اسے وہی چیز دیتا ہے یا اس کی اس کے برابر کوئی برائی دور کر دیتا ہے۔ جب تک کہ گناہ یا ناتا کاٹنے کی دعا نہ کی جائے۔“

(جامع ترمذی۔ ابواب الدعوات۔ باب ما جاء ان دعوة المسلم مستجابة)

جب مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں متین خالد صاحب کے استدلال کو دیکھتے ہیں تو ان پر حیرت تو ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ان جرائد پر بھی حیرت ہوتی ہے جو یہ رطب و یابس شائع کر رہے ہیں۔ اب تک یہ مضمون اہل حدیث، ضیاءِ اہلِ

حدیث، الفاروق، ختم نبوت اور ایشیا میں شائع ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو شائع کرنے سے قبل کسی نے اس کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

دلائل کی کمی ہمیشہ تشدد پر اکسانے کا باعث بنتی ہے۔ اس مضمون میں بھی دلائل کی کمی کا مرض اسی نتیجہ پر منتج ہوا ہے۔

اور اس مضمون میں بھی یحیٰ بختیار صاحب کے ایک انٹرویو کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ اگر یہ کاروائی منظر عام پر آگئی تو لوگ احمدیوں کو ماریں گے۔ اور پھر اس مضمون کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ چونکہ سب مسلمان رسولِ کریم ﷺ سے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بانی سلسلہ احمدیہ کے لکھے ہوئے دل آزار مواد پر اپنے آپ پر قابو نہیں کر سکیں گے۔

یہ تو درست ہے کہ سب مسلمانوں کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے محبت ہونی چاہئے لیکن یہ بات ناقابل فہم ہے کہ متین خالد صاحب کس دل آزار مواد کا ذکر کر رہے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ اس مرحلہ پر وہ ان تحریروں کے کچھ نمونے درج کر دیئے جائیں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں لکھے تھے۔ اور یہ حوالے قومی اسمبلی کی سپیشل کمیٹی کے روبرو بھی پڑھے گئے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

”سورۃ آل عمران جزو تیسری میں مفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیت شان ختم الرسل پر جو محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد کرو اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گزرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیت آنحضرت ﷺ کا اقرار کرتے آئے ہیں۔“

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 270،280)

پھر آپؑ براہینِ احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”ایک کامل انسان اور سید الرسل کہ جس سا کوئی پیدا نہ ہوا اور نہ ہو گا، دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اور دنیا کے لئے اس روشن کتاب کو لایا جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی۔“

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 419)

پھر آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

”وہ انسان جس نے اپنی ذات سے، اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسانِ کامل کہلایا۔۔۔۔۔ وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعثت اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر

ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداءِ دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔“

(اتمام الحجہ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 308)

پھر آپ تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”دنیا میں معصومِ کامل صرف محمد مصطفیٰ ﷺ ظاہر ہوا ہے“

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 324)

اب ذرا ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کی بلند و بالا شان کے بارے میں یہ حوالے تھے جو کہ محضر نامہ میں بھی شامل تھے اور اس کارروائی کے آغاز میں بھی پڑھے گئے تھے۔ کس انداز سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا بلند مقام بیان کیا گیا ہے۔ ہم سمجھ نہیں سکے کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں ان تحریرات کو پڑھ کر متین خالد صاحب کیوں مشتعل ہو گئے ہیں اور ان کا یہ خیال کیوں ہے کہ سب مسلمان ان کو پڑھ کر مشتعل ہو جائیں گے۔ جماعت احمدیہ تو وہ گروہ ہے جس نے ہر ظلم اور ہر زیادتی کے بعد دنیا بھر میں یہ آواز بلند کی ہے

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یعنی خدا کے عشق کے بعد ہم محمد ﷺ کے عشق میں مخمور ہیں۔ اگر یہ کفر ہے تو بخدا ہم سخت کافر ہیں۔

اس کے بعد اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے متین خالد صاحب صریحاً غلط بیانی کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احمدیوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس فیصلہ کو قبول کرتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ احمدی قومی اسمبلی میں گئے ہی اس لئے تھے کہ قومی اسمبلی جو بھی فیصلہ کرے گی ہمیں قبول ہو گا۔ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ جماعتِ احمدیہ کا جو تحریری موقف جو محضر نامہ کی صورت میں پیش کیا گیا تھا اور جو موقف وہاں پر سوال و جواب کے دوران پیش کیا گیا تھا وہ بالکل اس سے الٹ تھا۔ اور جماعت کا محضر نامہ تو عرصہ قبل شائع ہو چکا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔ کوئی بھی اسے پڑھ کر حقائق کو پرکھ سکتا ہے۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے کوئی نیا موقف پیش نہیں کیا گیا تھا۔ یہ وہی موقف تھا جو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947 کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا۔

You may belong to any religion cast or creed, that has nothing to do with business of state.

جماعت احمدیہ کی طرف سے یہ موقف پیش کیا گیا تھا کہ پہلا سوال تو یہ اُٹھتا ہے کہ کیا دنیا کی کوئی بھی اسمبلی فی ذاتہٖ اس بات کی مجاز ہو سکتی ہے کہ وہ مذہبی امور میں دخل اندازی کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کرے کہ کسی جماعت یا فرقہ یا فرد کا مذہب کیا ہے۔ اور پھر جماعت احمدیہ کا یہ موقف بیان کیا گیا تھا دنیا کے ہر فرد کا یہ حق ہے کہ وہ جس مذہب سے چاہے منسوب ہو اور دنیا کا کوئی ادارہ اسے اس کے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا اور دنیا کی کسی اسمبلی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس قسم کا فیصلہ کرے۔ اور یہ انتباہ بھی کیا گیا تھا کہ ایسا کرنا بہت سی خرابیوں اور فسادوں کو دعوت دینے کا پیش خیمہ بنے گا۔

(محضر نامہ صفحہ 3 تا 10)

کیا جماعت احمدیہ کی طرف سے جن خدشات کا اظہار کیا گیا تھا وہ صحیح تھے یا غلط؟ شاید موجودہ حالات میں اس سوال کا جواب دینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ایک اور بات جو اس مضمون میں بہت زور دے کر لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جمہوریت میں تو اکثریت کا فیصلہ چلتا ہے۔ اور 1974ء کا فیصلہ تو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر کیا تھا۔ نہ معلوم متین خالد صاحب نے تاریخِ مذاہب کا علم کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اگر یہی کلیہ تسلیم کیا جائے کہ کسی قوم کی اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ مذہبی معاملات میں اپنی مرضی کے فیصلے ٹھونسے تو تمام انبیاء پر اعتراض آئے گا کہ انہوں نے اپنے دور کی اکثریت کا فیصلہ کیوں قبول نہیں کیا۔ کیونکہ کم از کم آغاز میں تمام انبیاء کے متبعین اقلیت میں ہی تھے اور ان کے مخالفین اکثریت کے دعوے کر رہے تھے۔

قرآن کریم میں کئی انبیاء کے واقعات محفوظ ہیں۔ کسی ایک نے اپنے برحق ہونے کی دلیل کے طور پر اس بات نہیں پیش کیا کہ وہ اکثریت رکھتے ہیں اور نہ یہ مخالف کے باطل ہونے کی دلیل کے طور پر اس بات کو پیش کیا کہ وہ عددی لحاظ سے اقلیت میں ہیں۔ البتہ سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ دلیل فرعون نے استعمال کی تھی۔ جیسا کہ اس سورۃ میں لکھا ہے۔

”پس فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیجے۔ (یہ اعلان کرتے ہوئے) یقیناً یہ لوگ ایک تعداد حقیر جماعت ہیں۔ اور اس کے باوجود یہ ضرور ہمیں طیش دلا کر رہتے ہیں۔“

(الشعراء: 54 تا 56)

اس کے علاوہ مضمون نگار نے ایک عجیب بات اپنے مضمون میں لکھ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”قادیانی کہتے ہیں کہ اس وقت اراکینِ اسمبلی کی اکثریت زانی اور شرابی تھی۔ انہیں کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ وہ ایسا فیصلہ کرتے۔“

اس وقت کے بہت سے اراکین اسمبلی پر اس قسم کے الزامات لگے تو تھے لیکن خالد متین صاحب حقائق کو خلط ملط کر گئے ہیں یہ الزامات احمدیوں کی طرف سے نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ جماعت احمدیہ کا موقف اللہ تعالیٰ کے فضل سے اصولوں پر قائم ہوتا ہے اور یہ موقف ہم درج کر چکے ہیں۔ جماعت احمدیہ کو اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے دوسروں کی ذاتی زندگیوں میں سکینڈل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھٹو صاحب کی حکومت نے انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو ان کے متعلق اور ان کے رفقاء کار کے بارے میں ان کی بہت سی مخالف جماعتوں نے اس طرح کا منفی پروپیگنڈا کیا گیا تھا۔ اور ان جماعتوں میں وہ جماعتیں سب سے زیادہ پیش پیش تھیں جو جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے کا ایک طویل ماضی رکھتی تھیں۔ اور پھر جب ملک میں مارشل لاء لگا کر بھٹو صاحب کو اقتدار سے محروم کر دیا تو جنرل ضیاء صاحب کی حکومت نے کچھ قرطاس ابیض شائع کر کے اس قسم کے الزامات کو شہرت دی تھی۔ اور ضیاء صاحب جماعت احمدیہ کی مخالفت میں جو شہرت رکھتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور ان کی پشت پناہی وہ سیاسی جماعتیں کر رہی تھیں جو ہمیشہ جماعت احمدیہ کی مخالفت میں پیش پیش رہی ہیں۔ اور اس صف میں وہ سیاسی جماعت بھی شامل تھی جس کے جریدہ ’ایشیا‘ میں متین خالد صاحب نے اپنا یہ مضمون شائع کرایا ہے۔ اس وقت کی حکومت نے 1978 میں چار جلدوں میں قرطاسِ ابیض شائع کیا تھا جس میں بھٹو صاحب اور ان کے رفقاء کار پر ہر قسم کے الزامات لگائے گئے تھے۔ اور اس وقت ہائی کورٹ نے فیصلہ کرتے ہوئے بھٹو صاحب کے بارے می ’صرف نام کا مسلمان‘ کے الفاظ استعمال کئے تھے جس کے جواب میں بھٹو صاحب نے سپریم کورٹ میں ایک بہت موثر تقریر کی تھی۔ اور پھر سپریم کورٹ نے جو سزا سنائی تھی اور اس پر آج تک بحث ہو رہی ہے۔ اور جواب میں بھٹو صاحب نے اپنی کتاب If I am assasinated کے صفحہ 172 پر یہ الزام لگایا تھا۔ ان کی ایک مخالف مذہبی جماعت کے قائد نے پاکستان کے مخالف ممالک سے رشوتیں لے کر ان کے خلاف تحریک چلائی ہے۔ یہ سب کچھ تو ہوا تھا۔ ان واقعات کی تفاصیل میں الجھنا مقصود نہیں۔ مگر ہم یہ سمجھ نہیں پائے کہ ان کا جماعت احمدیہ سے کیا تعلق ہے؟ ان کے بارے میں تو ان سے دریافت کرنا چاہئے جو الزام لگا رہے تھے۔

اس مضمون میں مضمون نگار نے یہ بات بہت زور دے کر بار ہا لکھی ہے کہ یہ فیصلہ جمہوری پارلیمنٹ نے کیا تھا بلکہ یہ فیصلہ متفقہ طور پر ہوا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ کسی ملک کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ مذہبی

معاملات میں اپنے نظریات کسی گروہ پر مسلط کرے۔ یا ان معاملات میں دخل اندازی کرے جن کا تعلق مذہبی عقائد سے یا ضمیر سے ہو۔ صرف یہ دلیل کہ یہ فیصلہ اکثریت نے کیا ہے یا متفقہ طور پر کیا گیا ہے ایسے فیصلوں کو جائز ثابت نہیں کرتا۔

فرانس کی مثال لے لیں۔ جولائی 2010 میں فرانس کی پارلیمنٹ کے ایوانِ زیریں نے حجاب یا نقاب پر پابندی لگانے کی قرارداد منظور کی اور پھر سینٹ نے ستمبر 2010 میں اس پابندی کی قرارداد کو ایک ووٹ کے مقابل پر 246 ووٹوں سے منظور کیا۔ اور اس سال سے یہ قانون قابل عمل ہو گیا ہے۔ یہ فیصلہ جمہوری اداروں نے کیا۔ بھاری اکثریت سے کیا۔ لیکن کیا متین خالد صاحب اس فیصلہ کی تائید کریں گے؟ اور مزید یہ کہ 2008 میں یورپی ہیومن رائٹس کورٹ نے دو مسلمان عورتوں کی اپیل مسترد کرتے ہوئے، فرانس میں اُس وقت تک جو اقدامات اٹھائے گئے تھے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ لیکن یہ فیصلہ درست نہیں کہلا سکتا۔ فرانس کی پارلیمنٹ کو اور یوروپی یونین کی انسانی حقوق کی عدالت کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمان عورتوں کی مذہبی آزادی میں دخل اندازی کرے۔

اسی طرح بیلجئیم کی پارلیمنٹ نے اپریل 2010 میں ایک کے مقابل پر 149 ووٹوں سے یہ قانون منظور کیا کہ پبلک مقامات پر چہرا ڈھانکنے پر پابندی ہونی چاہئے۔ اس قانون کے لاگو ہونے کے ساتھ اب وہاں پر مسلمان عورتیں اگر چاہیں بھی تو پردہ نہیں کر سکتیں۔ یہ فیصلہ بھی بھاری اکثریت سے کیا گیا اور جمہوری ادارے نے کیا مگر کیا متین خالد صاحب اس فیصلے کی تائید کریں گے؟ یقیناً بیلجئیم کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وہاں کی مسلمان اقلیت کی مذہبی آزادی میں اس طرح دخل اندازی کرے۔

اسی طرح نومبر 2009 میں سویٹزر لینڈ میں ایک ریفرنڈم کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب مسلمان اپنی مساجد کے ساتھ مینارے تعمیر نہیں کر سکیں گے۔ یہ فیصلہ جمہوری انداز میں کیا گیا لیکن درست بہر حال نہیں کہلا سکتا۔ اکثریت کا یہ کام نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کرتی پھرے کہ ان کے ملک میں کسی اقلیت کی عبادت گاہ کے ساتھ مینارے ہونے چاہئیں کہ نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ مذہبی معاملات میں کسی فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل کوئی وقعت نہیں رکھتی کہ یہ فیصلہ اکثریت نے کیا ہے۔ اگر یہ کلیہ تسلیم کر لیا جائے اور اس بنیاد پر مذہبی آزادی کے معاملات پر دخل اندازی شروع ہو جائے تو دنیا میں نہ ختم ہونے والے فسادوں کا راستہ کھل جائے۔

یورپ میں نام نہاد آزادی اور جمہوری فیصلوں کے نام پر جو فیصلے کئے جا رہے ہیں وہ ایک خطرناک رجحان کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ یہ رجحان نہ مذہبی آزادی اور مذہبی ہم آہنگی کے لئے بہتر ہے اور نہ خود یورپ کے مفادات میں ہے۔ جب 1974 میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے اس خطرناک سمت میں قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا تو اسی وقت جماعت احمدیہ نے اپنے

محضر نامہ میں یہ انتباہ کر دیا تھا کہ یہ رجحان پاکستان اور دوسرے ممالک میں ان گنت خرابیوں اور فسادوں کی راہ کھولنے کا موجب بن جائے گا۔

(محضر نامہ صفحہ:5)